Volume 02, Issue 01,
January-June 2024
PP: 44-66
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

تفسیر روح المعانی کا تعارف اور علامہ آلوسیؒ کا اسرائیلی روایات پر طریقۂ نقد
ایک تحقیقی جائزہ

Introduction to Tafsīr Rūḥ al-Maʿānī and ʿAllāmah Ālūsī's Method of Critiquing Israʾīlī Narrations: A Research Overview

Haq Nawaz Akhtar
Research Scholar, Dept. of Quran & Sunnah, University of Karachi
haqnawaz70021@gmail.com

Abstract & Indexing

WORLD of JOURNALS
DRJI
OPEN ACCESS
Signatory of DORA
ACADEMIA
EuroPub
ASIAN RESEARCH INDEX Journals

Abstract
In the field of Islamic exegesis, Tafsīr bi'l-Ma'thūr refers to the interpretation of the Qur'an based on narrations attributed to the Prophet Muhammad (ﷺ,) his Companions (Ṣaḥābah), and the Successors (Tābiʿīn). It is a methodology that emphasizes the transmission of tafsīr through reliable chains of narration (isnād), ensuring the authenticity of the interpretations provided. This approach seeks to preserve the understanding of the Qur'an as conveyed by the earliest generations of Muslims, making it a cornerstone of classical Islamic scholarship. In the domain of Isra'īliyyāt narrations originating from Jewish and Christian traditions early scholars like Imām al-Baghawī and ʿAllāmah Khāzin included such accounts in their works of tafsīr but with varying degrees of scrutiny. These narrations often entered Islamic literature as supplementary explanations, particularly in the context of historical or eschatological topics, where the Qur'an provided less detail. While these scholars did define and acknowledge Isra'īliyyāt, they typically transmitted them without extensive critique. In contrast, ʿAllāmah Maḥmūd al-Ālūsī (1270 AH) in his seminal work Tafsīr Rūḥ al-Maʿānī, took a more critical stance toward these narrations. Unlike many of his predecessors, al-Ālūsī did not merely transmit Isra'īliyyāt; rather, he actively evaluated and critiqued them, assessing their compatibility with Islamic principles and textual evidence. His work represents a significant development in the treatment of Isra'īliyyāt within the tradition of tafsīr, as he built upon the efforts of earlier scholars, particularly Imām Ibn Kathīr (774 AH), who was among the first to systematically reject many of these narrations. This research paper aims to explore ʿAllāmah al-Ālūsī's method of critiquing Isra'īliyyāt within the broader framework of tafsīr. By examining his approach, this study seeks to highlight his contributions to the discipline of Qur'anic exegesis and his role in safeguarding the authenticity of Islamic interpretive tradition.

Keywords
Tafsīr bi'l-Ma'thūr, Isra'īliyyāt, Qur'anic Exegesis, ʿAllāmah Maḥmūd al-Ālūsī, Tafsīr Rūḥ al-Maʿānī, Critique of Isra'īliyyāt, Isnād,Islamic Scholarship, Imām Ibn Kathīr, Qur'anic Interpretation.

Published by:
HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تعارف

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ آخری آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ[1]

"بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن کریم چونکہ الفاظ و معانی کے مجموعے کا نام ہے تو اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کی، وہیں اس کے معنی و مفہوم اور مراد کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، اس لیے کہ صرف الفاظ کا محفوظ ہونا کافی نہیں تھا، کیوں کہ مراد اور معنی اگر محفوظ نہ ہو، تو اس کی تحریف یقینی ہو جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ[2]

"پھر بے شک اسے بیان فرمانا ہمارے ذمہ ہے"یعنی اس قرآن کی تفسیر بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے"۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی جو تفسیر کی، جسے "تفسیر بالماثور" کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم سے سند کے ساتھ روایت شدہ تمام تفسیری ذخیرہ کو نقل کرنا تفسیر بالماثور ہے۔[3]بعض مفسرین کرام نے "اسرائیلیات" کو بھی "تفسیر بالماثور" میں شمار کیا ہے،[4]اور کثرت سے اپنی تفاسیر میں "اسرائیلیات" کو بیان کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات اپنی تفاسیر میں اسرائیلیات کو بیان کر کے بے تبصرہ چھوڑ دیتے ہیں، جیسے امام بغوی اور علامہ خازن وغیرہ۔

علامہ آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) نے بھی "تفسیر روح المعانی" میں "اسرائیلیات" کو بیان کیا ہے، لیکن انہوں نے عام مفسرین کی طرح ان روایات کو بلا تبصرہ و نقد کے نہیں چھوڑا، اسی لیے ان کا شمار اُن گنے چنے مفسرین میں ہوتا ہے، جنہوں نے "اسرائیلیات" پر نقد کیا ہے اور غالباً حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کے بعد علامہ آلوسی کا ہی مقام ہے، جنہوں نے اسرائیلی اور موضوع روایات کے خلاف معرکہ آرائی کی اور وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے۔

پیشِ نظر مقالے میں اس حوالے سے چند امور پر بحث کی جائے گی۔

۱۔ علامہ آلوسی کا تعارف

۲۔ تفسیر روح المعانی کا تعارف اور منہج

۳۔ اسرائیلیات اور علامہ آلوسی کا موقف

۴۔ تفسیر روح المعانی میں اسرائیلیات کی اقسام

۵۔ تفسیر روح المعانی میں موجود چند اسرائیلی روایات کا تحقیقی جائزہ

علامہ آلوسی کا مختصر تعارف

نام و نسب

سید شہاب الدین محمود بن سید عبد اللہ آفندی، الآلوسی، بغدادیؒ۔ ابو الثناء کنیت اور شہاب الدین لقب تھا۔[5]شریف النَّسَبَین تھے۔ والد کی طرف سے نسباً حُسینی اور والدہ کی طرف سے حَسَنی تھے۔ اپنے نسب کے بارے میں سورۃ الشعراء کے آخر میں رقم طراز ہیں:

وأنا أحمد الله تعالى كما هو أهله على أن جعلني من الفائزين بالنسبين حيث وهب لي الإيمان وجعلني من ذرية سيد الكونين صلّى الله تعالى عليه وسلّم فها أنا من جهة أم أبي من ذرية الحسن ومن جهة أبي من ولد الحسين رضي الله تعالى عنهما"[6]

''میں اس بات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے عالی نسب میں پیدا کیا اورایمان کے زیور سے آراستہ کردیا، سید الکونین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اولاد میں ولادت نصیب فرمائی، کیونکہ میں ماں کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور باپ کی طرف سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں''۔

ولادت

آپ نے ۱۴ شعبان بروز جمعہ ۱۲۱۷ھ کو بغداد کے ایک علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔[7]

حصولِ علم

علامہ آلوسی کا تعلق بغداد کے معروف علمی خاندان سے تھا۔ علامہ آلوسی کے والد خود مدرس تھے، جن کی آغوشِ تربیت میں آپ نے پرورش پائی اور بچپن ہی سے طلبِ علم کا شوق پروان چڑھنے لگا۔ خداداد ذہانت و فطانت اور اپنے شوق کی وجہ سے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ دس سال کی عمر میں اپنے والد سے علومِ عربیہ، فقہ حنفیہ اور فقہ شافعیہ کی تعلیم مکمل کی، جب دس سال کے ہوئے تو والد صاحب نے قرب وجوار کے ممتاز علماء اور اکابر فقہاء سے استفادہ کی اجازت مرحمت فرمائی، چنانچہ آپ نے کئی علماء سے اکتسابِ علم کیا۔[8] جن میں سے چند مشہور شیوخ کے نام درج ذیل ہیں:

سید عبد اللہ بن محمود آلوسی، سید علی بن سید احمدؒ، خالد بن حسین، ضیاء الدین النقشبندیؒ، عبد العزیز بن محمد شوافؒ، شیخ یحییٰ المزوری العمادیؒ، عبد الغفار بن عبد الواحد بن وہب، المعروف بعبد الغفار الاخرسؒ اور محمد اسعد حیدریؒ۔

علمی مقام

آپ کو فقہ واصول فقہ، تفسیر، حدیث، علم ہیئت اور صرف ونحو پر مکمل عبور حاصل تھا۔ منقولات ومعقولات پر کمال دسترس رکھنے میں آپ کا ثانی کوئی نہیں تھا۔ صبح کو اہل علم اور شام کے اوقات میں مطالعہ کی ہم رکابی آپ کا معمول ہوا کرتا تھا، ایک شعر آپ کی زبان سے بکثرت سنا جاتا تھا:

سهرى لتنقيح العلوم ألذُّلى ... من وصل غانية وطيب عناق[9]

''علم کی نوک پلک سنوارنے کے لیے میری بیداری مجھے ایک حسین عورت کی ملاقات سے زیادہ لذیذ تر ہے''۔

آپ کا شمار اپنے زمانے میں علوم القرآن وعلوم الحدیث پر مکمل عبور رکھنے والوں میں ہوتا تھا، منطق اور علم الکلام میں آپ کا ثانی نہ تھا اور اسی طرح آپ اپنے زمانہ میں فنِ لغت میں بھی امامت کے درجے پر فائز تھے۔ علامہ آلوسیؒ نے قدرت کی طرف سے بلا کا حافظہ پایا تھا اور آپ اکثر کہا کرتے تھے:

ما استودعت ذهنى شيئاً فخاننى ولا دعوتُ فكرى لمعضلة إلا وأجابنى[10]

''میں نے اپنے ذہن کو کوئی ایسی امانت سپرد نہیں کی، جس میں اس نے خیانت کی ہو اور نہ ہی اپنی قوتِ فکر وتدبر کو کسی مشکل کے لیے بلایا اور اس نے میری عقدہ کشائی نہ کی ہو''۔

حلقۂ درس وتدریس اور افتاء

علامہ آلوسیؒ نے حصولِ تعلیم کے بعد تیرہ برس کی عمر سے تعلیم وتدریس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا، رات کے ابتدائی حصہ میں طالب علموں کو وقت دیتے اور آخری حصہ میں پڑھنا آپ کی عمر بھر کا وطیرہ رہا۔ علم وفضل میں کمال کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی شہرت وناموری عطاء فرمائی تھی۔ مسلکاً آپ فقہ شافعی سے اپنا تعلق جوڑتے تھے، لیکن اکثر معاملات میں احناف کی رائے کو بھی قبول کرلیتے تھے، جب کہ آخری عمر میں آپ کا جھکاؤ اجتہاد کی طرف زیادہ ہوگیا تھا۔[11] آپ احناف کے منصبِ افتاء پر بھی فائز رہے جو آپ کے تفقہ وتدبر کا مستند اقرار تھا۔ آپ کے پاس بکثرت طلبہ قیام پزیر رہتے تھے، جن کے خورد ونوش، رہائش اور قیام وطعام ولباس سمیت جملہ ضروریات آپ اپنی جیب خاص سے برداشت کرتے تھے۔ آپ کی ذات طالبانِ علوم کی مرجع بن گئی۔ شباب ہی سے آپ اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گئے

تھے۔اسی وجہ سے بغداد اور دیگر علاقوں کے طالبان علم جوق در جوق آپ کی مجلس درس میں حاضر ہو کر اکتسابِ علم وفن کرنے لگے۔آپ کی پر وقار مجلس سے فیض پانے والوں کی تعداد شمار سے زیادہ ہے۔سید محمود شکری آلوسیؒ ان کے تلامذہ کے متعلق لکھتے ہیں: آپ کی علمی مجلسوں سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ہر طرف سے طالبانِ علم آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر اپنا علمی پیاس بجھاتے رہے۔[12]

آپ کے تلامذہ کے صفوں میں ایسے مقتدر اصحابِ علم بھی ہیں جو آسمان علم پر چاند سورج بن کر چمکے اور ان کی تابانیوں سے ایک عالم منور ہوا، چند نامور تلامذہ یہ ہیں:

سید عبد الرحمن آلوسی، سید عبد الحمید آلوسی، عبد اللہ بہاء الدین بن محمود بن عبد اللہ آلوسی، سعد الدین بن محمود المعروف بعبد الباقیؒ، عبد الفتاح بن الحاج شواف زادہ بغدادیؒ، محمد امین آفندیؒ، محمد بن حسینؒ اور محمد امین ادہمیؒ۔

مؤلفات

علامہ شہاب الدین آلوسی نے جہاں اپنے علم وفن سے درس وتدریس کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا وہیں اپنے وسیع معلومات اور علمی تحقیقات سے مستقبل میں آنے والی نسلوں کے استفادہ کے لیے مختلف الانواع گراں قدر تصنیفات یادگار چھوڑیں جو کمیت و کیفیت ہر لحاظ سے کافی اہمیت رکھتی ہے۔انہوں نے ایسے اہم موضوعات پر قلم اٹھایا جس کی آپ کے زمانہ میں سخت ضرورت تھی۔

آپ کی تصنیفات کے متعلق محمد بہجۃ اثری لکھتے ہیں:

علامہ آلوسیؒ کی قلمی کاوشیں حسن تحریر، دلکش طرز تصنیف اور اسلوب بیان کے ساتھ ساتھ آپ کے تبحر علمی اور آزادئ فکر کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ فتاویٰ، رسالہ جات اور اشعار کے علاوہ بیس سے زائد کتابیں آپ کی قلم سے منصہ شہود پر آئیں۔[13]

آپ کی بعض کتابیں مرورِ زمانہ سے ناپید ہو گئی ہیں، مگر ان کے تذکرے سیر و تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، چند اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني،الأجوبة العراقية عن الأسئلة الإراضية، حاشية شرح القطر، البيان شرح البرهان في إطاعة السلطان،شرح سلم العروج، دقائق التفسير،فوائد وتعليقات في النحو۔[14]

وفات

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعۃ المبارک ۲۵ ذوالقعدہ ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی اور محلہ کرخ میں شیخ معروف کرخی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔[15]

تفسیر روح المعانی کا تعارف

علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر کا نام ”روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني“ رکھا ہے۔ مقدمہ میں اس نام کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں:

میں نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کے بعد اس کے نام کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو کوئی پسندیدہ نام ذہن میں نہیں آیا، میں نے اپنی اس مشکل کا اظہار وزیر اعظم علی رضا پاشا کے سامنے کیا، انہوں نے فی الفور اس کا نام ”روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني“ تجویز کیا۔[16]

تفسیر روح المعانی کا مقام و مرتبہ

تفسیر روح المعانی کو اگر تمام جامع تفاسیر کا خلاصہ کہا جائے تو اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ علامہ آلوسی تفسیر ابن عطیہ، ابوحیان، کشاف، ابو السعود بیضاوی، رازی اور معتبر کتب تفاسیر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی ابو السعود کو شیخ الاسلام، مفسر بیضاوی کو قاضی اور فخر الدین رازی کو امام کے لقب سے ذکر

کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی اکثر مقامات پر ابو السعود، بیضاوی اور ابوحیان اور دیگر مفسرین کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ اسی طرح فقہی افکار اور آراء میں سے جس کو مناسب سمجھتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ آلوسی چونکہ سلفی المشرب اور سنی العقیدہ تھے، اس لیے معتزلہ، شیعہ اور دیگر فراقہ کے لوگوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے نظریات ومتعقدات کا ابطال کرتے ہیں۔[17]

روح المعانی کے بارے میں مفکرین اور مفسرین کی آراء

تفسیر روح المعانی تیرہویں صدی کے شروع کی نمایاں ترین تفسیر ہے، جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے ایک خاص بات یہ ہے کہ مشرق ومغرب، عراق وایران، عرب وعجم میں مقبول ترین ہے اور اہل علم کے ہر طبقے میں اس کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

شیخ محمد عبد العظیم زرقانی (م۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

وهذا التفسير من أجل التفاسير وأوسعها وأجمعها نظم فيه روايات السلف بجانب آراء الخلف المقبولة وألف فيه بين ما يفهم بطريق العبارة وما يفهم بطريق الإشارة رحمه الله وتجاوز عنه[18]

”تفسیرِ روح المعانی سب سے زیادہ جلیل القدر سب سے زیادہ وسیع اور جامع ترین تفسیر ہے، اس میں انہوں نے سلف کی روایات کے ساتھ ساتھ خلف کی روایات کو بھی پرو دیا ہے اور اس میں انہوں نے وہ چیزیں بھی تالیف کی ہیں جو بطریق عبارت مفہوم ہوتی ہیں اور وہ چیزیں بھی لکھی ہیں جو بطریق اشارہ مفہوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی ان پر رحم کرے اور ان سے درگزر فرمائے۔“

تفسیرِ روح المعانی کی عظمت وجلالت کے بارے میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ (م۱۳۹۷ھ) لکھتے ہیں:

”یہ تفسیر تیرہویں صدی ہجری کی عظیم القدر شخصیت مفتی بغداد اور اپنے وقت کے بہت بڑے عالم سید محمود آلوسی حنفی کی تحریر کردہ ہے، اس کی گرانمایہ خصوصیات اور بلند پایہ محاسن دلوں کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ میرے نزدیک مواد کی کثرت، واضح تعبیرات اور تحریر کی عمدگی میں مذکورہ تفسیر علامہ ابن حجر کی فتح الباری کے مانند ہے، لیکن چونکہ فتح الباری کلام مخلوق کی تشریح وتفصیل ہے، اس لیے اس نے صحیح بخاری کی شرح کی گراں ذمہ داری سے امتِ مرحومہ کو آزاد کر دیا اور گویا صحیح بخاری کا حق ادا کر دیا، جب کہ خدائے کریم کا مبارک کلام اس بات سے بہت بالا وبرتر ہے کہ کوئی بشر اس کے حق کو کامل طور پر ادا کر سکے، اگرچہ اپنی ممکنہ ہمت وعنایت کلام اللہ کی شرح وتفسیر میں گزار دے۔“[19]

علامہ آلوسی کی اس مایہ ناز تفسیر کے بارے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی (م۱۴۳۱ھ) لکھتے ہیں:

”جو حضرات عقلی رجحان رکھتے ہیں، انہوں نے اس میں عقلی مواد پایا اور جو لوگ روحانی اور صوفیانہ مزاج رکھتے ہیں، ان کی دلچسپی کا سامان اس میں موجود ہے، اس لیے کہ علامہ آلوسی خود ایک روحانی سلسلہ سے وابستہ تھے۔ فقہی رجحان رکھنے والوں کے لیے اس تفسیر کے اندر فقہی احکام بھی تفصیل سے موجود ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک جامع تفسیر ہے اور برصغیر میں کم وبیش تمام مفسرین پر اس تفسیر کے اسلوب اور مندرجات نے اثر ڈالا۔ برصغیر کی اردو تفاسیر میں شاید کوئی ایسی تفسیر نہیں ہے، جس پر بالواسطہ یا بلاواسطہ علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے اثرات نہ ہوں۔“[20]

تیس جلدوں پر مشتمل تفسیر روح المعانی یہ بالکل آخری دور کی تفسیر ہے، اس لیے علامہ آلوسی نے کوشش کی ہے کہ سابقہ تفاسیر کے اہم مباحث اس تفسیر میں جمع کر دیے جائیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی تفسیر کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس میں لغت نحو، ادب، بلاغت، فقہ، عقائد، کلام فلسفہ، ہیئت، تصوف اور متعلقات پر بھی مضبوط بحثیں ہیں اور کوشش یہ فرمائی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے، روایتِ حدیث کے معاملے میں بھی علامہ آلوسی دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط ہیں، اس لحاظ سے اس کتاب کو سب تفاسیر کا خلاصہ کہنا چاہیے اور اب تفسیر قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔“[21]

تفسیر روح المعانی کا منہج اور اسلوب

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ امام المفسرین ہیں۔ آپ کی تفسیر روح المعانی کا شمار عربی زبان کے معتبر ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ تفسیر روح المعانی ایک ایسا قیمتی تفسیری انسائیکلوپیڈیا ہے جو اپنی جامعیت، وسعت اور مختلف علوم وفنون کی مجموعے کی بناء پر ممتاز ہے۔ علامہ آلوسیؒ احکام سے متعلق آیات کی تفسیر میں بہت تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اکابر فقہا کی آراء اور ان کا موقف پیش کرتے ہیں اور اس موقف کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل بھی ذکر کرتے ہیں۔ اسرائیلیات سے آپ حتی الوسع پرہیز کرتے ہیں، بلکہ ان مفسرین پر حیرانی کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر کی بہت بڑی جگہ اسرائیلیات کے لیے میسر وفراہم کر دی تھی۔ علامہ آلوسیؒ کو چونکہ علم ہیئت پر بھی عبور حاصل تھا، اس لیے قرآن مجید میں جہاں کہیں اجسامِ فلکی اور اسرارِ کائنات کا ذکر ہے وہاں آپ کا قلم اس وقت تک کی ہیئتی تحقیقات ومشاہدات کو سمیٹنے لگتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ کے تفسیری اقوال صرف ونحو اور لغت کی بحثوں سے بھرے پڑے ہیں، اگرچہ یہ اسلوب عام قاری کے لیے ثقالت کا باعث ہے، لیکن جہاں قانون سازی اور استنباط احکام کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے وہاں یہ بحثیں بہت سے چھپے ہوئے گوشوں کو بے نقاب کرتی ہیں اور اس کتاب کی گہرائی اور گیرائی سے طالب علموں کو آگاہ کرتی ہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے قرآنی آیات کے ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ ان کے باطنی حسن (تفسیر اشاری) پر بھی بہت روشنی ڈالی ہے کہیں کہیں تو اس تفصیل کے ساتھ وہ قرآن مجید کے باطن میں اس طرح ڈوب جاتے ہیں کہ ان کے عالم ہونے کی بجائے صوفی ہونے کا گمان غالب آنے لگتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے اپنی اس تفسیر میں مسلمانوں میں موجود بعض باطل نظریات وعقائد کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان کی اصلاح کی کوشش بھی فرمائی ہے۔

اسرائلیات کا لغوی واصطلاحی معنی

لفظِ ”اسرائلیات“ لغوی اعتبار سے جمع ہے۔ اس کا واحد ”اسرائیلیة“ ہے اور اس کی نسبت اسرائیل کی طرف ہے۔ حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام اسرائیل کے لقب سے ملقب تھے۔ یہودی اپنی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں، اس لیے یہود کو بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں قومِ یہود کا تذکرہ اس نام سے متعدد بار آیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ أَكۡثَرَ ٱلَّذِي هُمۡ فِيهِ يَخۡتَلِفُونَ ”واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر ان باتوں کی حقیقت واضح کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔“[22]

اسرائیلیات کا اصطلاحی معنی

اسرائیلیات کے اصطلاحی معنی کے بارے میں دکتور محمد حسین ذہبی (م ۱۳۹۸ھ) لکھتے ہیں:

لفظ الإسرائيليات - كما هو ظاهر - جمع مفرده إسرائيلية وهي قصة أو حادثة تُروى عن مصدر إسرائيلي[23]

”لفظ اسرائیلیات جیسا کہ ظاہر ہے وہ جمع ہے اور اس کا مفرد اسرائیلیہ ہے اور اسرائیلیات سے مراد ہر وہ قصہ یا روایت ہے جو اصل یہودی مصادر سے مروی ہو۔“

مولانا نظام الدین اسیر ادروی (م ۱۴۴۲ھ) لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، وعیسی علیہ السلام وغیرہم کے تفصیلی واجمالی واقعات قرآن میں

مذکور ہیں۔ ان واقعات کی چھوٹی چھوٹی آیتوں کے ضمن میں اہل کتاب کے بیان کردہ واقعات کی تفصیل سے ہمارے مفسرین نے دس دس صفحے سیاہ کیے ہیں، جن میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں، جو صراحتاً اسلامی تعلیمات کی روح اور اس کی تصریحات کے خلاف ہیں، بہت سے واقعات اور قصے خلافِ فطرت، خلافِ عقل اور خلافِ تجربہ و مشاہدہ ہیں، ایسے ہی بے سند اور بے بنیاد قصوں کو اسلامی اصطلاح میں اسرائیلی روایت یا اسرائیلیات کہا جاتا ہے، یہ رواتیں اسلامی رواتیں نہیں ہیں، بلکہ ان کا منبع و مخرج حقیقتاً قوم یہود ہے۔[24]

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم کے نظر میں اسرائیلیات کی تعریف درج ذیل ہے:

"اسرائیلیات" یا "اسرائیلی روایات" ان روایات کو کہتے ہیں، جو یہودیوں، عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔ ان میں سے بعض روایات براہ راست بائبل یا تالمود سے لی گئی ہیں۔ بعض مشنا اور اس کی شرح سے لی گئی ہیں اور ان میں بعض ایسی روایات بھی موجود ہیں جو زبانی اہل کتاب سے سینہ بسینہ نقل ہوئی چلی آتی ہیں۔ جو عرب کے یہود و نصاری میں مشہور و معروف تھیں۔[25]

اسرائیلیات کی اصطلاح میں توسع

اسلامی اصطلاح میں جہاں ان روایتوں پر اسرائیلیات کا لفظ بولا جاتا ہے، جن کا سرچشمہ یہودیت ہے، وہیں ان واقعات و قصص پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا ہے، جن کا اصل سرچشمہ یہودیت نہیں، بلکہ ان روایتوں کو وضع کرنے والے منافقین یا مشرکین یا نصاری رہے ہیں، جیسے قصہ غرانیق ہے، جو درحقیقت یہودیوں کی افسانہ تراشی نہیں ہے، بلکہ بقول محمد ابن اسحاق زندیقوں کا گھڑا ہوا افسانہ ہے۔ اس طرح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ بھی مشرکین عرب کا گھڑا ہوا ہے، لیکن اصطلاح میں ان روایتوں کو بھی "اسرائیلیات" میں شمار کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ "اسرائیلیات" کا لفظ اب زیادہ وسیع مفہوم میں استعمال ہونے لگا ہے، جو واقعات و حوادث یہودیت کے ذہن و مزاج اور رنگ کے ہیں، چاہے وہ بنی اسرائیل کے وضع کردہ نہ ہوں، لیکن ان واقعات میں یہودیت کا رنگ جھلکتا ہے، اس لیے اصطلاحاً ان کو بھی اسرائیلیات ہی کہا گیا ہے۔[26]

اسرائیلیات کی اسلامی روایات میں دخل اندازی

علامہ ابن خلدون (م۸۰۸ھ) نے اسرائیلیات کی اسلامی روایات میں دخل اندازی کی جو داستان سنائی ہے، وہ بڑی حد تک ان کی اصل کی عکاسی کرتی ہے۔ انہوں نے مقدمہ میں لکھا ہے:

"(متقدین نے جب تفسیر کی کتابوں کو مدوّن کیا، تو ان کے سامنے روایات کا جو ذخیرہ تھا، وہ سب کا سب بلا تحقیقِ صحت اپنی کتابوں میں لے لیا) ان تفسیروں میں رطب و یابس مقبول و مردود سب کچھ بھرا ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب اہل کتاب نہ تھے، بلکہ ان پڑھ اور تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ جب بھی حقائق عالم یا ابتدائے خلقت کے دریافت کرنے کا شوق دل میں پیدا ہوا، چونکہ عربوں کے پڑوس میں پڑھا لکھا طبقہ اہلِ کتاب یہودیوں اور نصرانیوں کا تھا، اس لیے وہ اہل کتاب یہود و نصاری سے دریافت کرتے اور جو کچھ وہ بتادیتے وہ مان لیتے اور عام یہودی بھی عربوں کے ساتھ بدویانہ زندگی ہی گزارتے تھے، اس لیے ان کی معلومات ویسی ہی تھیں، جیسی عوام کی معلومات ہو سکتی ہیں، ان میں اہلِ حمیر کو خصوصیت حاصل تھی، جو دین یہودیت قبول کر چکے تھے، پھر اسلام آیا اور ان تمام لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے ذہنوں اور حافظوں میں جو پہلے کے سنے سنائے قصے پڑے ہوئے تھے وہ اپنی حالت پر باقی رہے، کیونکہ ان کا تعلق احکامِ شرعیہ سے نہیں تھا، یہ تخلیقِ عالم کی داستانیں، بادشاہوں کی جنگوں اور عربوں کی آپس کی لڑائیوں کی کہانیاں تھیں، یا اسی طرح دین و

شریعت سے غیر متعلق دوسرے قصے اور واقعات تھے،ان معلومات کی بھی حفاظت ہوتی رہی اور (اس معاملے میں) خصوصاً کعب الاحبار، وہب بن منبہ اور عبد اللہ بن سلام وغیرہ سے ایسے اقوال بکثرت منقول ہو کر مفسروں تک پہنچے اور چونکہ یہ خبریں حکم و عمل کے متعلق نہ تھیں، اس لیے مفسرین نے ان کی طرف سے تساہل برتا اور اس قسم کے منقولات سے تفاسیر بھر گئیں جن کو خرافات یہود کہنا چاہیے، کیونکہ عرب کے یہود کو علم و معرفت سے کچھ واسطہ نہ تھا، لیکن جب انہوں نے اسلام اختیار کیا اور صاحبِ منزلت صحابی شمار ہونے لگے تو اخبار قدیم اور قصص توریت کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہہ دیا لوگوں نے مان لیا۔ اس طرح پر مسلمانوں میں اس قسم کی تمام ضعیف روایتیں پھیل گئیں۔"[27]

اسرائیلیات کی اقسام

مفسرین کرام نے اسرائیلیات کی اقسام کو مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ دکتور محمد حسین ذہبی نے اپنی کتاب "الاسرائیلیات فی التفسیر" میں لکھا ہے:

اسرائیلیات کی تقسیم تین طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔

۱۔ صحت وضعف کے اعتبار سے

۲۔ شریعتِ اسلامی کی موافقت یا مخالفت کے اعتبار سے

۳۔ موضوع خبر (یعنی اس کا تعلق عقائد سے ہے یا احکام سے یا مواعظ اور حوادث سے) کے اعتبار سے

تقسیم اول: صحت وضعف کے اعتبار سے

صحیح کی مثال وہ روایت ہے جسے حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے ابن جریر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے ملا تو میں نے کہا مجھے نبی کریم ﷺ کی تورات میں وارد شدہ صفتوں کے بارے میں بتائے جو قرآن میں بھی موجود ہیں۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے خدا کی قسم تورات میں بھی ویسی ہی صفات آپ علیہ السلام کی مذکور ہیں، جس طرح قرآن کریم میں موجود ہیں اور تورات کی یہ آیت پڑھی، اے نبی! ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر اور امیوں کا محافظ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ تیرا نام المتوکل ہے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی سنگدل ہے اور تجھے اللہ اس وقت تک موت نہ دے گا، جب تک تیرے ذریعے سے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے اور وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں اور اللہ اس کے ذریعے بند دل، بہرے کان اور بے بصارت آنکھوں کو کھول دے۔ عطا کہتے ہیں: اس کے بعد میں کعب سے ملا تو ان سے بھی یہی گزارش کی تو انہوں نے بھی بس لہجے کے فرق کے ساتھ مندرجہ بالا الفاظ دہرا دیے۔

حافظ ابن کثیر اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وقد رواه البخاري في صحيحه عن محمد بن سنان عن فليح عن هلال بن علي -فذكر بإسناده نحوه وزاد بعد قوله: "ليس بفظ ولا غليظ": "ولا صخاب في الأسواق ولا يجزي بالسيئة السيئةولكن يعفو ويصفح[28]

"بخاری نے اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں وہ "ليس بفظ ولا غليظ" یوں اضافہ کرتے ہیں:

"ولا صخاب في الأسواق ولا يجزي بالسيئة السيئةولكن يعفو ويصفح" "اور وہ (رسول) بازاروں میں شور غل مچانے والا نہ ہوگا، وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا، بلکہ معاف اور درگزر کرے گا"۔

ضعیف کی مثال وہ اثر ہے جسے حافظ ابن کثیر نے ابو حاتم الرازی کے حوالے سے سورۃ ق کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے اس زمین کے پیچھے ایک سمندر پیدا کیا ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہیں پھر اس سمندر کے پیچھے پہاڑ بنایا ہے جسے قاف کہا جاتا ہے۔ آسمانِ دنیا کو اس پر اٹھایا گیا ہے، پھر اللہ تعالی نے اس پہاڑ کے پیچھے اس زمین کی طرح سات زمینیں بنائی ہیں پھر ان کے

پیچھے بھی ساتھ زمینیں ہیں انہیں سمندر گھیرے ہوئے ہے اور ان کے پیچھے دوسرا کوہِ قاف بنایا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے سات زمینیں، سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے اور اسے آیت" والبحر یمد من بعده سبعة ابحر "کی تفسیر بتایا"۔علامہ ابن کثیر اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:"فإسناد هذا الأثر فيه انقطاع "[29]"اس اثر کی سند منقطع ہے"۔

تقسیم ثانی

شریعت اسلامی کی موافقت یا مخالفت کے اعتبار سے

اسرائیلیات کی دوسری تقسیم شریعت کی معرفت کی مخالفت کے اعتبار سے کی گئی ہے۔اس تقسیم کے اعتبار سے اس کی تین حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ ہماری شریعت کے موافق ہو گی۔

۲۔ ہماری شریعت کے مخالف ہو گی۔

۳۔نہ تو ہماری شریعت کے مخالفت ہے اور نہ ہی موافقت و تائید میں۔

ان تینوں حیثیتوں کے متعلق مثالیں درج ذیل ہیں۔

پہلی مثال موافقت سے متعلق ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی جسے اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کی میزبانی کے لیے اپنے ہاتھ سے الٹے پلٹے گا جس طرح تم دستر خوان پر روٹی لہراتے پھراتے ہو۔ پھر ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: ابو القاسم! تم پر رحمن برکت نازل کرے۔ کیا میں تمھیں قیامت کے دن اہلِ جنت کی سب سے پہلی ضیافت کے بارے میں خبر نہ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیوں نہیں! تو اس نے (بھی یہی) کہا کہ ساری زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا اور مسکرائے جس سے آپ کے آگے کے دانت دکھائی دینے لگے۔ پھر (اس نے) خود ہی پوچھا: کیا میں تمھیں اس کے سالن کے متعلق خبر نہ دوں؟ (پھر خود ہی) کہنے لگا کہ ان کا سالن "بالام ونون" ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ بیل اور مچھلی جس کی کلیجی کے ساتھ زائد چربی کے حصے کو ستر ہزار آدمی کھائیں گے۔[30]

دوسری مثال ان اسرائیلیات کی جو ہماری شریعت کے مخالف ہیں، مثلاً سورہ ص کی آیت"ولقد فتنا سليمان وألقينا على كرسيه جسدا ثم أناب''کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا قصہ ذکر کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا راز ان کی انگوٹھی میں تھا، ایک دن ایک شیطان نے اس انگوٹھی کو قبضہ میں کر لیا اور اس کی وجہ سے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر آپ ہی کی شکل میں حکمران بن بیٹھا۔ چالیس دن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ انگوٹھی ایک مچھلی کے پیٹ میں سے ملی، اس کے بعد آپ نے دوبارہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔

علامہ ابن کثیر اس قسم کی تمام روایات کو اسرائیلیات میں شمار کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "إسناده إلى ابن عباس رضي الله عنهما قوي ولكن الظاهر أنه إنما تلقاه ابن عباس رضي الله عنهما إن صح عنه من أهل الكتاب وفيهم طائفة لا يعتقدون نبوة سليمان عليه الصلاة والسلام فالظاهر أنهم يكذبون عليه ولهذا كان في هذا السياق منكرات من أشدها ذكر النساء فإن المشهور عن مجاهد وغير واحد من أئمة السلف أن ذلك الجني لم يسلط على نساء سليمان بل عصمهن الله عز وجل منه تشريفا وتكريما لنبيه عليه السلام. وقد رويت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضي الله عنهم كسعيد بن المسيب وزيد بن أسلم وجماعة آخرين وكلها متلقاة من قصص أهل الكتاب والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب"[31]

”اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک ہے تو قوی ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب سے لیا ہے، یہ بھی اس وقت کہ جب اسے ابن عباس کا قول مان لیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں مانتی تھی تو عجب نہیں کہ یہ بیہودہ قصہ اسی خبیث جماعت کا گھڑا ہوا ہو۔ اس میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو بالکل ہی منکر ہیں خصوصاً اس شیطان کا آپ علیہ السلام کی بیویوں کے پاس جانا اور ائمہ سلف نے بھی ایسے ہی قصے بیان تو کیے ہیں، لیکن اس بات کا سب نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جن ان کے پاس نہیں جاسکا اور نبی کے گھرانے کی خواتین کی عصمت و شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے اور بھی بہت سے لوگوں نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن سب کی اصل یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے لیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب“

تیسری مثال ان اسرائیلی روایات کی ہے، جو نہ ہماری شریعت کی مخالفت میں ہیں اور نہ ہی موافقت اور تائید میں۔ ان کی حیثیت محض خبر کی ہے، مثلاً سورہ بقرۃ کی آیت وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا۟ بَقَرَةً کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے سدی کے حوالے سے واقعہ نقل کیا ہے:

بنی اسرائیل کا ایک مالدار شخص تھا جس کی ایک بیٹی تھی اور اس کا ایک بھتیجا بھی تھا، جو بہت غریب تھا۔ اس کے بھتیجے نے اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگا، مگر اس کے مالدار چچا نے انکار کر دیا، اس پر اس کا بھتیجا غضبناک ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ میں چچا کو قتل کر کے اس کا مال ہڑپ لوں گا اور اس کی بیٹی سے نکاح بھی کر لوں گا اور اس کی دیت بھی کھا جاؤں گا۔ اسی دوران ایک تجارتی قافلہ آیا، چنانچہ وہ نوجوان ایک منصوبے کے تحت چچا کے پاس آیا اور اس سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ ان تاجروں کے پاس چلیے، اس لیے کہ جب وہ آپ کو میرے ساتھ دیکھیں گے تو چیزیں سستی دیں گے، چنانچہ چچا رات کے وقت بھیجے کے ساتھ نکل پڑا۔ بھتیجے نے موقع دیکھ کر راستہ میں ہی چچا کا قتل کر دیا اور گھر واپس آ گیا۔ صبح سویرے دکھاوے کے لیے چچا کو ڈھونڈتا ہوا، قافلہ والوں کے پاس پہنچا اور ان پر الزام لگایا کہ انہوں نے اس کے چچا کو قتل کر دیا ہے، اس لیے وہ اس کی دیت ادا کریں اور ہائے چچا کا شور مچا کر واویلا اور ماتم کرنے لگا، چنانچہ اس نوجوان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاملہ کے ظاہری پہلو دیکھ کر تاجروں کو دیت ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ اس فیصلہ پر تاجروں نے کہا: اے اللہ کے رسول! دیت کی ادائیگی ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ مستقبل میں اسے لے کر ہمیں عار دلائی جائے۔ اس لیے آپ اللہ تعالی سے دعا کیجیے کہ وہ اصل قاتل کو بے نقاب کر دے، چنانچہ یہی واقعہ ہے جس کے سبب حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہلوایا گیا کہ ” وإذ قتلتم نفسا فادارأتم فيها والله مخرج ما كنتم تكتمون“

علامہ ابن کثیر اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”والظاهر أنها مأخوذة من كتب بني إسرائيل وهي مما يجوز نقلها ولكن لا تصدق ولا تكذب فلهذا لا يعتمد عليها إلا ما وافق الحق عندنا والله أعلم“[32]

”ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کی کتابوں سے لیا گیا ہے، اور اس کا نقل کرنا جائز ہے، لیکن نہ تو اس واقعے کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ ہی تکذیب، کیونکہ ہمارے نزدیک صرف اعتماد اسی پر ہے، جو حق کے موافق ہو۔“

تقسیم ثالث: موضوعِ خبر کے اعتبار سے

اسرائیلیات کی تیسری تقسیم موضوعِ خبر کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ متعلقہ خبر کا تعلق کن چیزوں سے ہے، عقائد سے ہے یا احکام سے یا دوسرے کسی موضوع سے۔ مثلاً مواعظ، حوادث، ملاحم یا فتن وغیرہ۔

عقائد سے متعلق

بخاری شریف میں روایت ہے:

عن عبد الله - رضي الله عنه قال:جاء حبر من الأحبار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا محمد

إنا نجد أن الله يجعل السماوات على إصبع والأرضين على إصبع والشجر على إصبع والماء والثرى على إصبع وسائر الخلائق على إصبع فيقول: أنا الملك فضحك النبي صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه تصديقا لقول الحبر ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم:وما قدروا الله حق قدره والأرض جميعا قبضته يوم القيامة والسماوات مطويات بيمينه سبحانه وتعالى عما يشركون [33]

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ علمائے یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اے محمد! ہم (تورات میں) پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا، اس طرح تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، دریاؤں اور سمندروں کو ایک انگلی پر، گیلی مٹی کو ایک انگلی پر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر، پھر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ سن کر ہنس دیے حتی کہ آپ کے سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے۔ آپ کا یہ ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا۔ پھر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ آیت پڑھی:” وما قدروا الله حق قدره والأرض جميعا قبضته يوم القيامة والسماوات مطويات بيمينه سبحانه وتعالى عما يشركون۔“

احکام سے متعلق

بخاری شریف کی روایت ہے:

”عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: «أن اليهود جاؤوا إلى النبي صلى الله عليه وسلم برجل منهم وامرأة قد زنيا فقال لهم: كيف تفعلون بمن زنى منكم قالوا: نحممهما ونضربهما فقال: لا تجدون في التوراة الرجم فقالوا: لا نجد فيها شيئا فقال لهم عبد الله بن سلام: كذبتم{فأتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين} فوضع مدراسها الذي يدرسها منهم كفه على آية الرجم فطفق يقرأ ما دون يده وما وراءها ولا يقرأ آية الرجم فنزع يده عن آية الرجم فقال: ما هذه فلما رأوا ذلك قالوا: هي آية الرجم فأمر بهما فرجما قريبا من حيث موضع الجنائز عند المسجد فرأيت صاحبها يجنأ عليها يقيها الحجارة»“[34]

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں چند یہودی اپنے ایک مرد اور عورت کو لے کر حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”تم میں سے کوئی زنا کا مرتکب ہو تو تم اس سے کیا سلوک کرتے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرمانے لگے: ”کیا تمہیں تورات میں رجم کا حکم نہیں ملا؟“ وہ کہنے لگے: ہمیں تو اس میں ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول اٹھے اور ان سے کہنے لگے: تم جھوٹے ہو۔ تورات لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔ تورات لائی گئی تو ان کے بڑے مدرس نے جو انہیں تورات پڑھایا کرتا تھا، اپنا ہاتھ آیتِ رجم پر رکھ دیا، پھر آگے پیچھے سے عبارت پڑھنے لگا اور آیت رجم نہیں پڑھتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے آیتِ رجم سے اس کا ہاتھ کھینچا (ہٹایا) اور فرمایا: یہ کیا ہے؟ جب یہودیوں نے آیت رجم دیکھی تو کہنے لگے: واقعی یہ تو آیت رجم ہے۔ پھر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ان دونوں کے متعلق حکم جاری فرمایا اور انہیں قریب ہی مسجد کے پاس جہاں جنازے رکھے جاتے تھے، رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس عورت کے آشنا کو دیکھا کہ وہ اپنی داشتہ کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھکا جا رہا تھا۔“

مواعظ یا حوادث سے متعلق

تیسری مثال جس کا تعلق حوادث سے وہ نوح علیہ السلام کی کشتی سے متعلق ہے جسے علامہ ابن کثیر نے سورہ ہود کی آیت ۲۷ کی تفسیر میں محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"أن الله أمره أن يصنعها من خشب الساج وأن يجعل طولها ثمانين ذراعا وعرضها خمسين ذراعا وأن يطلي باطنها وظاهرها بالقار وأن يجعل لها جؤجؤا أزورا يشق الماء"[35]

"آپ فرماتے ہیں: محمد بن اسحاق نے توراۃ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کشتی کو ساج (ساکھو) کی لکڑی سے بنائیں اور اس کی لمبائی اسی ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ رکھیں اور اس کے اندر، باہر کی قلعی کریں اور پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی بنائیں۔"

اسرائیلیات کا شرعی حکم

واضح رہے کہ جو اسرائیلی روایات شریعتِ اسلامیہ کے موافق ہوں گی، ان کا بیان کرنا جائز ہے اور جو روایات شریعت کے مخالف ہوں، ان کا بیان کرنا جائز نہیں ہے، البتہ ان رویات کے جھوٹ اور بطلان کو واضح کرنے کے لیے بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، ایسی روایات کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، ان کا بیان کرنا جائز ہے، کیونکہ ان میں اکثر کا تعلق صرف واقعات سے ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو جنگِ یرموک کے موقع پر اہلِ کتاب کی کتابوں کا دو اونٹوں کا بوجھ ملا تھا، وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج "[36] "میرا پیغام لوگوں کو پہنچاؤ، اگرچہ وہ ایک آیت پر مشتمل ہو اور بنی اسرائیل سے (جو واقعات سنو، انھیں) بھی بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں" کے پیشِ نظر ان کتابوں میں سے بیان کرتے تھے۔

جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے لکھا ہے:

"ولكن هذه الأحاديث الإسرائيلية تذكر للاستشهاد لا للاعتقاد فإنها على ثلاثة أقسام:أحدها: ما علمنا صحته مما بأيدينا مما يشهد له بالصدق فذاك صحيح.والثاني: ما علمنا كذبه بما عندنا مما يخالفه.والثالث: ما هو مسكوت عنه لا من هذا القبيل ولا من هذا القبيل فلا نؤمن به ولا نكذبه وتجوز حكايته لما تقدم. وغالب ذلك مما لا فائدة فيه تعود إلى أمر ديني ولهذا يختلف علماء أهل الكتاب في مثل هذا كثيرا. ويأتي عن المفسرين خلاف بسبب ذلك كما يذكرون في مثل هذا أسماء أصحاب الكهف ولون كلبهم وعدتهم وعصا موسى من أي الشجر كانت وأسماء الطيور التي أحياها الله لإبراهيم وتعيين البعض الذي ضرب به القتيل من البقرة ونوع الشجرة التي كلم الله منها موسى إلى غير ذلك مما أبهمه الله في القرآن مما لا فائدة في تعيينه تعود على المكلفين في دنياهم ولا دينهم ولكن نقل الخلاف عنهم في ذلك جائز كما قال تعالى:{سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا}الكهف: 22"[37]

"اسرائیلی احادیث تین قسموں پر منقسم ہیں: پہلی وہ جس کی صحت کا ہمیں یقینی علم ہے اور ہماری شریعت میں اس کی تصدیق اور شہادت موجود ہے، ایسی احادیث صحیح ہیں۔ دوسری وہ جن کا جھوٹ ہونا ہمیں معلوم ہے اور ہماری شریعت میں اس کی مخالفت موجود ہے اور تیسری قسم وہ ہے جن کے سلسلہ میں سکوت اختیار کیا گیا ہے نہ اس قبیل سے ہیں، نہ اس قبیل سے، نہ تو ہم ان کی تائید کریں گے نہ تکذیب، البتہ ان کا بیان کرنا سابقہ دلائل کی بنا پر جائز ہوگا۔ اس میں سے اکثر کا ایسا کوئی فائدہ نہیں ہے جس سے دینی معاملہ وابستہ ہو، اسی وجہ سے اہلِ کتاب کے علماء کا اس طرح کے معاملات میں بہت اختلاف ہے اور اسی وجہ ان معاملات میں مفسرین کا بھی اختلاف ہے، کیونکہ وہ ایسے معاملات میں اصحابِ غار کے نام، ان کے کتے کا رنگ اور ان کی تعداد، موسیٰ کا عصا، یہ کس درخت سے تھا۔ ان پرندوں کے نام جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لیے زندہ کیا تھا، گائے کے اس حصے کی تعین جس سے مقتول کو مارا گیا تھا، درخت کی قسم جس میں سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے بات کی تھی، اور

دوسری چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح نہیں کیا ہے، مکلفین کے لیے اس کی وضاحت کرنے کا دینی اور دنیوی کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اس میں ان سے اختلاف کا نقل کرنا جائز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا“

”کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے، اور چوتھا ان کا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب اٹکل کے تیر چلانے کی باتیں ہیں۔ اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور آٹھواں ان کا کتا تھا، کہہ دو کہ: میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی کو ان کا پورا علم نہیں، لہذا ان کے بارے میں سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو، اور نہ ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو۔“

تفسیر آلوسی اور اسرائیلیات

علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی نہ صرف یہ کہ بڑی حد تک اسرائیلی خرافات سے پاک ہے، بلکہ وہ ان تمام تفاسیر کی سب سے بڑی ناقد ہے جو اسرائیلیات کی ناقل ہیں، بلکہ بسا اوقات تو علامہ آلوسی نقد و جرح کے ساتھ ساتھ ان کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔

علامہ حسین ذہبی (م ۱۳۹۸ھ) لکھتے ہیں:

”ومما نلاحظ على الألوسى أنه شديد النقد للإسرائيليات والأخبار المكذوبة التى حشا بها كثير من المفسّرين تفاسيرهم وظنوها صحيحة مع سخرية منه أحياناً فمثلاً عند تفسيره لقوله تعالى فى الآية 12 من سورة المائدة: {وَلَقَدْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ بني إِسْرَآئِيلَ وَبَعَثْنَا مِنهُمُ اثني عَشَرَ نَقِيباً} .. نجده يقص علينا قصة عجيبة عن عوج بن عنق يرويها عن البغوى ولكنه بعد الفراغ منها يقول ما نصه: "وأقول: قد شاع أمر عوج عند العامة ونقلوا فيه حكايات شنيعة وفى فتاوى العلاّمة ابن حجر قال الحافظ العماد ابن كثير: قصة عوج وجميع ما يحكون عنه هذيان لا أصل له وهو من مختلقات أهل الكتاب ولم يكن قط على عهد نوح عليه السلام ولم يسلم من الكفار أحد. وقال ابن القيم: من الأُمور التى يُعرف بها كون الحديث موضوعا أن يكون مما تقوم الشواهد الصحيحة على بطلانه كحديث عوج بن عنق. وليس العجب مِن جرأة مَن وضع هذا الحديث وكذب على الله تعالى إنما العجب ممن يُدخل هذا الحديث فى كتب العلم من التفسير وغيره ولا يبيِّن أمره ثم قال: ولا ريب أن هذا وأمثاله من صنع زنادقة أهل الكتاب الذين قصدوا الاستهزاء والسخرية بالرسل الكرام عليهم الصلاة والسلام وأتباعهم.. ثم مضى الألوسى فى تفنيد هذه القصة بما حكاه عن غير مَن تقدّم من العلماء الذين استنكروا هذه القصة الخرافية “[38]

”علامہ آلوسی کی تفسیر کے غائرانہ مطالعہ سے یہ حقیقت کھل سامنے آتی ہے کہ وہ اسرائیلیات اور جھوٹے واقعات کو شدید نقد و جرح کا نشانہ بناتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ان کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ دیگر مفسرین نے صحیح قرار دے کر اپنی تفاسیر کو ان سے بھر دیا ہے مثلاً سورہ مائدہ کی آیت نمبر: ۱۲ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ ٱثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ”اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگران مقرر کیے تھے۔“

اس کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے عوج بن عنق کا عجیب و غریب واقعہ بغوی سے روایت کر کے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: لوگوں میں عوج بن عنق کے بارے میں عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے فتاوی میں حافظ ابن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ یہ عوج بن عنق کا واقعہ بکواس اور بے اصل ہے۔ اس کو اہل کتاب نے وضع کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں عوج نامی کوئی آدمی موجود نہ تھا اور نہ ہی کفار میں سے کوئی شخص مشرف باسلام ہوا“۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی حدیث کے من گھڑت ہونے کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ شواہد صحیحہ کے خلاف ہو، جیسے عوج بن عنق والی روایت۔ اس میں تعجب کی بات یہ نہیں ہے کہ کسی قدر جرأت کے ساتھ وضاعین نے اس طرح کی حدیثیں گھڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلاف کذب و جھوٹ کے مرتکب ہوئے، بلکہ اصل

تعجب کی بات یہ ہے کہ کس طرح اہلِ علم نے اس طرح کی بے اصل اور بے سروپا چیزوں کو تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں جگہ دی اور اس کو شائع کرنے میں حصہ لیا،لہٰذا یہ بات ہر شک وشبہ سے بالا ہے کہ اس طرح کی بے سروپا روایتیں زنادقۂ اہلِ کتاب نے اس لیے گھڑیں ہیں کہ اللہ کے رسولوں اور تعلیماتِ اسلام کا مذاق اڑایا جاسکے۔"

علامہ آلوسی کا اسرائیلیات پر نقد کرنے کا طریقہ

اسرائیلیات پر نقد کرنے کے سلسلہ میں علامہ آلوسی نے چند طریقے اختیار کیے ہیں اور جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اجمالی طور پر نقد کرنا

سورہ بقرہ کی آیت نمبر:۳۵:

وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ

"اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہیں اور جہاں چاہیں آسودہ ہو کر کھائیں، (البتہ) اس درخت کے قریب کبھی نہ پھٹکنا، ورنہ تمہارا شمار خطاکاروں میں ہو جائے گا۔"

علامہ آلوسی تعیینِ شجرۃ سے متعلق اقوال نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے۔بعض کا کہنا ہے: یہ درخت گندم کا تھا، بعض کا کہنا ہے: کھجور کا تھا، بعض کا کہنا ہے کہ کافور کا درخت تھا اور یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، بعض کا کہنا ہے: انجیر کا تھا، بعض کا کہنا ہے: اندرائن کا تھا، بعض کا کہنا ہے: محبت کا درخت تھا، بعض کا کہنا ہے: خواہشات کا درخت تھا وغیرہ وغیرہ۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: "والأولى عدم القطع والتعيين- كما أن الله تعالى لم يعينها باسمها في الآية- ولا أرى ثمرة في تعيين هذه الشجرة"[39] "بہتر یہ ہے کہ اس درخت کی تعیین نہ کی جائے، جیسے کہ اللہ تعالی نے اس کی تعیین نہیں کی، اور اس درخت کی تعیین میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر:۳۶ فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا ٱهْبِطُوا۟ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِى ٱلْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَٰعٌ إِلَىٰ حِينٍ "آخر شیطان نے اسی درخت کے باعث اُن دونوں کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور ان کو اس (جنت) سے نکال کر ہی چھوڑا، ہم نے کہا کہ (اب) تم سب (یہاں) سے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہو گا اور (وہاں) ایک خاص مدت تک تمہارا رہنا سہنا ہو گا"۔

علامہ آلوسیؒ ابلیس ملعون کی حیلہ بازی نقل کرتے ہیں اور کچھ مرویات ذکر کر کے فرماتے ہیں: "وفي كيفية توسله إلى ذلك أقوال فقيل: دخل الجنة ابتلاء لآدم وحواء وقيل: قام عند الباب فناداهما وأفسد حالهماوقيل: تمثل بصورة دابة فدخل ولم يعرفه الخزنة ---الخ"[40] "ابلیس کا آدم علیہ السلام تک پہنچنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ۱۔ابلیس جنت میں داخل ہوا تاکہ ان دونوں کو آزمائش میں مبتلا کرے۔،۲۔ابلیس جنت کے دروازے کے پاس آیا اور آواز دی اور ان دونوں کی حالت کو بگاڑا۔،۳۔ابلیس کسی حیوان کی شکل میں آیا اور داخل ہوا، اور جنت کے داروغہ کو پتا ہی نہ چلا۔"

علامہ آلوسی اس بارے میں مزید اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں: "ولا نعرف من ذلك إلا الهواجس والخواطر التي تفضي إلى ما تفضي"[41] "ہمیں معلوم ہیں کہ یہ تمام اقوال وساوس کی قبیل سے ہیں۔"

یہ اہلِ کتاب کی اسرائیلی روایات ہیں جن کو مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات پر اجمالاً تنقید کی ہے۔

۲۔علامہ آلوسی کا اسرائیلیات پر تفصیلاً نقد کرنے کے ساتھ ساتھ ان مرویات کا استہزاء کرنا

علامہ آلوسی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے علماء کرام کے مقام کو پیش نظر رکھا ہے اور ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے نقد کیا ہے۔مزید بر آں انھوں نے لطیف رموز ونکات، تلمیحات اور اشارات وکنایات کے ذریعہ ان روایات پر اس طرح نقد کیا ہے جو نہ صرف یہ کہ بار خاطر نہ ہو، بلکہ اس میں مہارت اور ذوق لطیف کی شان نمایاں ہے جو ایک صاحبِ علم کا امتیاز ہے۔[42][43] مثال کے طور سورہ بقرہ آیت نمبر:۲۴۸ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ ٱللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًاۚ

قَالُوٓاْ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ ٱلۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ أَحَقُّ بِٱلۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةٗ مِّنَ ٱلۡمَالِۚ قَالَ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهُۥ بَسۡطَةٗ فِي ٱلۡعِلۡمِ وَٱلۡجِسۡمِۖ وَٱللَّهُ يُؤۡتِي مُلۡكَهُۥ مَن يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٞ" اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے، اگر تم مومن ہو تو تمہارے لیے اس میں بڑی نشانی ہے۔" کی تفسیر میں علامہ آلوسی تابوتِ سکینہ کے بارے میں چند آراء ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کا تمسخر کرتے ہیں۔

صندوق کے بارے میں بعض اہل علم کی رائے

بعض اہل علم کا قول ہے کہ وہ ایک صندوق تھا جس کو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا، اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں۔ پہلے وہ صندوق حضرت آدم علیہ السلام کے پاس رہا اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ کی اولاد میں میراث در میراث منتقل ہوتا ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا گیا، یہاں تک کہ جب حضرت موسی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی تو اللہ تعالی نے قوم عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا۔ قومِ عمالقہ نے تابوت ان سے لے لیا اور گندی جگہ رکھ دیا۔ جب اللہ تعالی نے طالوت کو بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا تو قومِ عمالقہ پر ایک وبا (بواسیر) مسلط کر دی جس کی وجہ سے ان کے پانچ شہر ہلاک ہوگئے، انھیں یہ خیال ہوا کہ یہ سب مصیبت ہمارے اوپر اس تابوت کی توہین کی وجہ سے آئی ہے تو انہوں نے اس تابوت کو نکال کر دو بیلوں پر لاد دیا اور ان کو چلا دیا، اللہ تعالی نے ان بیلوں پر چار فرشتے مقرر کر دیے جو ہانک کر طالوت کے گھر لے آئے۔

صندوق کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ تورات کا صندوق ہے جس کو اللہ تعالی نے آسمان پر اٹھا لیا تھا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی تھی، جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور صندوق آسمان پر اٹھا لیا۔ پھر جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہت کی نشانی مانگی تو یہ صندوق آسمان سے آیا اور فرشتے اس کی حفاظت کر رہے تھے اور اس تابوت کو انہوں نے طالوت کے گھر میں اتارا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت پر تمسخر

علامہ آلوسی نے تابوت کی لمبائی چوڑائی، اس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مجسمہ ہونا، اس کا لوگوں سے بولنا اور ان کے درمیان عدل و انصاف کرنا اور اس کا آدم علیہ السلام سے لے کر عہد عمالقہ تک شریف در شریف نسلوں میں منتقل ہوتے رہنا اور اس کے اندر موجود سامانوں کی فہرست کا تذکرہ اور مفسرین کے بیانات نقل کرنے کے بعد ایک جملہ میں ہی یوں تبصرہ فرمایا ہے:

"ولم أر حديثا صحيحا مرفوعا يعول عليه يفتح قفل هذا الصندوق ولا فكرا"[44] "میں نے ایسی کوئی صحیح مرفوع معتمد حدیث نہیں دیکھی جس میں کبھی تابوت کو کھولے جانے کی بات کہی گئی ہو" اور ظاہر ہے کہ جب کبھی تابوت کھولا ہی نہیں گیا تو اس میں موجود ان نوادرات کی فہرست کا انکشاف کیسے ہو گیا؟

سورہ ہود کی آیت نمبر: ۳۸ وَيَصۡنَعُ ٱلۡفُلۡكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيۡهِ مَلَأٞ مِّن قَوۡمِهِۦ سَخِرُواْ مِنۡهُۚ قَالَ إِن تَسۡخَرُواْ مِنَّا فَإِنَّا نَسۡخَرُ مِنكُمۡ كَمَا تَسۡخَرُونَ "اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان پر ان کی قوم کے سردار گزرتے تو ان کا مذاق اُڑاتے، نوح کہتے: اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو، تو تمہارے ہی ہنسنے کی طرح ہم بھی تم پر ہنسیں گے۔"

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں امام کلبی وغیرہ سے کشتی کی لکڑی کی قسم، طول و عرض، بنانے کی مدت اور جگہ کے حوالے سے روایات نقل کرکے فرماتے ہیں:

"وسفينة الأخبار في تحقيق الحال فيما أرى لا تصلح للركوب فيها إذ هي غير سالمة عن عيب فالحري بحال من لا يميل إلى الفضول أن يؤمن بأنه عليه السلام صنع الفلك حسبما قص الله تعالى في كتابه

ولا يخوض في مقدار طولها وعرضها وارتفاعها ومن أي خشب صنعها وبكم مدة أتم عملها إلى غير ذلك مما لم يشرحه الكتاب ولم تبينه السنة الصحيحة "[45]

"سفینۂ نوح کے متعلق یہ تفصیلات کسی بھی طرح توجہ کے لائق نہیں ہیں، کیوں کہ ان تمام تفصیلات کے ساتھ وہ کشتی سواری کے لیے قطعی مناسب نہیں تھی۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ ہم اس کشتی کے طول و عرض، بلندی، کس لکڑی سے وہ بنائی گئی اور اس میں کتنی مدت لگی؟ ان بے فائدہ تفصیلات میں نہ پڑیں، بلکہ صرف یہ ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کشتی بنائی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی اس میں ہر چیز کے جوڑے رکھوائے گئے۔ اس میں جو بیٹھے وہ بچ گئے بقیہ سب غرق ہوگئے۔ ان بے کار تفصیلات سے اجتناب کیا جائے جو کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ میں مروی نہیں ہیں۔"

۳۔علامہ آلوسی کا نقلِ اسرائیلیات کے بعد خود تبصرہ نہ کر کے دیگر مفسرین کرام کے اقوال نقل کرنا

اس طرح بعض مقامات علامہ آلوسی نقلِ اسرائیلیات کے بعد خود تبصرہ نہیں کرتے ہیں، لیکن دیگر مفسرین مثلاً ابن کثیر یا ابوحیان الاندلسی صاحب البحر المحیط وغیرہ کے تبصرے نقل کر دیتے ہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ کی آیت نمبر: ۱۲ ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ ٱثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ "اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیے تھے۔"

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں جبارین سے متعلق تفصیلات نقل کرتے ہوئے امام مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سردار جبارین کے پاس آئے تو انہیں اس طرح پایا کہ اِن کے دو فرد اُن کے ایک فرد کے آستین میں سما سکتے ہیں اور ان کے انگور کے خوشہ کو سرداروں کے پانچ افراد اٹھا سکتے ہیں اور انار کی تقسیم میں چار یا پانچ سردار شریک ہوسکتے ہیں۔ پھر امام بغوی سے نقل کیا ہے کہ ان سرداروں کی جبارین میں سے ایک فرد سے ملاقات ہوئی، جس کا نام عوج بن عنق تھا اور اس کی لمبائی تین لاکھ تین سو تینتیس گز تھی، اور وہ بادل کو روک کر اس سے پانی پیتا اور سمندر کی تہ سے مچھلی پکڑ کر اسے سورج سے بھونتا، پھر اسے کھا لیتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر، حافظ ابن کثیر، اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں کہ اس قصّے کے بارے میں تمام روایات من گھڑت اور بے اصل ہے، اور یہ اہل کتاب کے خرافات میں سے ہے اور اس روایت کے بطلان پر فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب نے یہ روایت گھڑی ہے۔ اس کے بعد امام بغوی کی تفسیر سے ان کا تبصرہ نقل کرتے ہیں:

" وأقول قد شاع أمر عوج عند العامة ونقلوا فيه حكايات شنيعة وفي فتاوى العلامة ابن حجر قال الحافظ العماد ابن كثير: قصة عوج وجميع ما يحكون عنه هذيان لا أصل له وهو من مختلقات أهل الكتاب ولم يكن قط على عهد نوح عليه السلام ولم يسلم من الكفار أحد وقال ابن القيم: من الأمور التي يعرف بها كون الحديث موضوعا أن يكون مما تقوم الشواهد الصحيحة على بطلانه- كحديث عوج الطويل- وليس العجب من جرأة من وضع هذا الحديث وكذب على الله تعالى إنما العجب ممن يدخل هذا الحديث في كتب العلم من التفسير وغيره ولا يبين أمره ثم قال: ولا ريب في أن هذا وأمثاله من وضع زنادقة أهل الكتاب الذين قصدوا الاستهزاء والسخرية بالرسل الكرام عليهم الصلاة والسلام وأتباعهم انتهى"[46]

"میں کہتا ہوں، عوج بن عنق کی داستان عوام میں کافی مقبول ہے اور لوگوں نے اس سلسلہ میں محیر العقول اور عجیب و غریب کہانیاں بنائی ہیں، چنانچہ فتاویٰ ابن حجر میں ہے کہ حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ قصہ عوج بن عنق کی طویل داستان صرف ہذیان اور قصہ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہ دراصل اہلِ کتاب کی گھڑی ہوئی داستان ہے۔ یہ قطعاً ناقابلِ تسلیم

ہے کہ عوج بن عنق نامی شخص عہد نوح علیہ السلام میں موجود تھا کیوں کہ سیلاب کی تباہی میں کوئی غیر مسلم زندہ نہ بچ سکا تھا۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کے من گھڑت ہونے کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ شواہدِ صحیحہ کے خلاف ہو، جیسے عوج بن عنق والی روایت۔ اس میں تعجب کی بات یہ نہیں ہے کہ کسی قدر جرأت کے ساتھ وضاعین نے اس طرح کی حدیثیں گھڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلاف کذب کے مرتکب ہوئے، بلکہ اصل تعجب کی بات یہ ہے کہ کس طرح اہل علم نے اس طرح کی بے اصل اور بے سروپا چیزوں کو تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں جگہ دی اور اس کو شائع کرنے میں حصہ لیا۔ لہذا یہ بات ہر شک وشبہ سے بالا ہے کہ اس طرح کی بے سروپا روایتیں زنادقہ اہل کتاب نے گھڑیں ہیں، اس لیے کہ اللہ کے رسولوں اور تعلیمات اسلام کا مذاق اڑایا جاسکے۔"

اب اس مقام کو ملاحظہ فرمائیں کہ یہاں علامہ آلوسی دیگر علما کے اقوال پر اعتماد کرتے ہوئے اسرائیلی روایات پر رد کرتے ہیں۔

۴۔ علامہ آلوسی کا غیر معتبر روایات نقل کرنے والے مفسرین پر نکیر کرنا

علامہ آلوسی غیر معتبر اسرائیلی روایات کے رد پر صرف اکتفاء نہیں کرتے بلکہ جو لوگ بغیر نقد کے غیر معتبر روایات نقل کرتے ہیں، ان پر نکیر بھی کرتے ہیں۔ مثلاً سورہ یوسف کی آیت نمبر: ۲۴ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِۦ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَٰنَ رَبِّهِۦ ۚ "اور اس عورت نے تو یوسف سے برائی کا ارادہ کر ہی لیا تھا، اگر یوسف نے اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھ لی ہوتی تو ان کو بھی اسی طرح کا خیال پیدا ہو جاتا"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی امام واحدی پر نکیر کرتے ہیں کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے لیے ھم قبیح کو ثابت کیا ہے۔ امام واحدی نے کتاب بسیط میں کہا ہے کہ معتمد اور روایات میں مرجع کی حیثیت رکھنے والے اور نزولِ قرآن کا مشاہدہ کرنے والوں سے روایت لینے والے مفسرین کا کہنا ہے کہ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے بھی ارادہ صحیحہ کیا تھا اور زلیخہ کے اس مقام پر قریب بیٹھ گئے تھے، جہاں ایک مرد بیٹھ کر عورت سے مقاربت کرتا ہے، پس جب انہوں نے اپنے رب کے دلائل کو دیکھا تو ان کی شہوت ختم ہوگئی اور اس کے بعد چند روایات ذکر کرتے ہیں کہ اس برھان سے کیا مراد ہے؟ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ برھان سے مراد یہ ہے کہ ان کے سامنے یعقوب علیہ السلام کی صورت پیش کی گئی اور وہ اپنی انگلی کاٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے یوسف! کیا تم بے وقوفوں والا عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، حالانکہ تم تو نبی ہو۔

اور اس کے بعد علامہ آلوسی ان مرویات پر امام رازی کے تعلیق کو ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: امام فخر رازی نے اس روایت پر تعقب کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرف اس معصیت کی نسبت کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس طرح کی نسبت اگر کسی فاسق کی طرف بھی کی جائے تو بھی قابل عار ہے، تو پھر کیسے اس گناہ کی نسبت کسی نبی کی طرف کی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسی اپنی بات کی تائید میں دلائل ذکر کرتے ہیں اور امام واحدی پر سخت نکیر کرتے ہیں:

"وعند هذا يقال للجهلة الذين نسبوا إلى يوسف عليه السلام تلك الفعلة الشنيعة: إن كانوا من أتباع الله سبحانه فليقبلوا شهادة الله تعالى على طهارته عليه السلام وإن كانوا من أتباع إبليس فليقبلوا شهادته ولعلهم يقولون كنا في أول الأمر من تلامذته إلى أن تخرجنا فزدنا عليه في السفاهة كما قال الحريري:

وكنت امرأ من جند إبليس فانتهى ... بي الحال حتى صار إبليس من جندي

فلو مات قبلي كنت أحسن بعده ... طرائق فسق ليس يحسنها بعدي

ومن أمعن النظر في الحجج وأنصف جزم أنه لم يبق في يد الواحدي ومن وافقه إلا مجرد التصلف وتعديدأسماء المفسرين ولم يجد معهم شبهة في دعواهم المخالفة لما شهد له الآيات البينات سوى روايات واهيات"[47]

"اس موقع پر یوسف علیہ السلام کی طرف اس قبیح فعل کی نسبت کرنے والے جہلاء سے کہتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالی کے حکم کی اتباع کرنے والے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر اللہ کی شہادت و گواہی کو قبول کریں اور اگر وہ ابلیس کے متبعین ہیں تو اس کے قول کو قبول کریں شاید یہ جہلاء ابتداً ابلیس کے شاگرد ہیں اور اسی کے پاس سے پڑھ کر فاضل ہوئے، چنانچہ ان کی سفاہت اور بے وقوفی میں اضافہ ہوگیا۔ جیسے کہ حریری نے شعر کہا تھا کہ میں ابلیس کی فوج میں سے تھا میری حالت نے مجھے اس درجے پر پہنچا دیا کہ ابلیس میری فوج میں سے ہو گیا، چنانچہ اگر ابلیس مجھ سے پہلے مر گیا تو اس کے بعد میں اچھی طرح (گمراہی پھیلا سکتا) ہوں اور فسق وفجور کے راستے میرے بعد کوئی اچھی طرح ہموار نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص دلائل میں غور وفکر کرے وہ یقیناً انصاف سے کام لے گا کہ واحدی اور ان کے موافقت کرنے والوں کے ہاتھ میں سوائے ڈینگیں مارنے اور مفسرین کے نام گنوانے کے کچھ نہیں باقی بچتا اور واحدی اپنے دعوی کے مخالف واضح آیات سے مؤیدبات کے بارے میں فضول وبے کار روایات کے سوا کوئی شبہ نہیں پاتا۔"

۵۔علامہ آلوسی کا روایت کی صحت کو تسلیم نہ کرنا، اور پھر اپنے صوفیانہ مزاج کی وجہ سے آیت کی اشاری تفسیر کرنا

علامہ آلوسی اسرائیلی روایات سے شغف رکھنے والوں پر سخت نکیر کرتے ہیں، اور جن روایات کی صحت پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی ان کو باطل قرار دیتے ہیں، مگر یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ ان قصص وروایات کا سختی سے انکار کرنے کے باوجود بسا اوقات وہ ان کی تاویل بھی کرتے ہیں اور ان قصوں کو رمز واشارہ کے قبیل کی چیز بتاتے ہیں۔ یعنی تفسیر باطنی واشاری کے طرز پر اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۰۲ وَاتَّبَعُوا۟ مَا تَتْلُوا۟ ٱلشَّيَٰطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَٰنَ "اور (اس کی بجائے) انھوں نے اس علم کی پیروی کی، جس کی سلیمان کے عہد میں شیاطین تعلیم دیا کرتے تھے۔" کی تفسیر کرتے ہوئے اس سلسلہ میں بیان کردہ اس قصہ کی سختی سے تردید کرتے ہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ ملائکہ کو بنی آدم کے عصیان خداوندی اور فساد فی الارض پر سخت تعجب ہوا اور انھوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر ہم بنی آدم کے مقام پر ہوتے تو ایسی حرکتیں کبھی نہ کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے درمیان جس کو سب سے اچھا سمجھتے ہو انھیں پیش کرو، چنانچہ انھوں نے اپنے میں سے دو فرشتوں کو چن کر پیش کیا اور انھیں زمین پر اتارا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر جنسی خواہش پیدا کر دی اور انھیں انسان کی شکل دے دی گئی اور وہ اس خواہش کے تحت زہرہ نامی ایک عورت کے حسن سے متاثر ہو کر اس کے عاشق ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا، مگر اس نے شرط لگا دی کہ پہلے کسی بت کی پوجا کرو یا شراب پیو یا کسی شخص کا قتل کرو، تو ان دونوں نے یہ کام کیے اس کے بعد زہرہ نے آسمان پر چڑھنے کا منتر ان دونوں سے سیکھا، چنانچہ وہ آسمان پر چڑھ گئی اور وہاں اسے مسخ کر کے ستارہ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد ان دونوں فرشتوں نے بھی آسمان پر چڑھنا چاہا مگر اب ان کے لیے آسمانوں پر جانا ممکن نہ رہا اور انھیں ان کے جرم کے پاداش میں دنیا یا آخرت کے عذاب میں سے کسی ایک کو جھیلنے کا اختیار دیا گیا، چنانچہ انھوں نے دنیا کا عذاب جھیلنے کو ترجیح دی اور وہ اسی میں مبتلا کر دیے گئے، وہ بابل کے کسی کنوئیں میں اب تک عذاب جھیل رہے ہیں۔"

آلوسی اس قصہ کو دیگر مفسرین کی تفسیروں سے نقل کر کے پہلے تو اپنے اسلوب کے مطابق اس کا انکار کرتے ہیں، مگر دوسرے ہی لمحے وہ اس کی عجیب وغریب تاویل کرتے ہیں:

"ولعل ذلك من باب الرموز والإشارات فيراد من الملكين العقل النظري والعقل العملي اللذان هما من عالم القدس ومن المرأة المسماة بالزهرة- النفس الناطقة- ومن تعرضهما لها تعليمهما لها ما يسعدها ومن حملها إياهما على المعاصي تحريضها إياهما بحكم الطبيعة المزاجية إلى الميل إلى السفليات المدنسة لجوهريهماومن صعودها إلى السماء بما تعلمت منهما عروجها إلى الملأ الأعلى ومخالطتها مع القدسيين بسبب انتصاحها لنصحهما ومن بقائهما معذبين بقاؤهما مشغولين بتدبير الجسد وحرمانهما عن العروج إلى سماء الحضرة لأن طائر العقل لا يحوم حول حماها"[48]

”ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ رموز واشارات کے قبیل کی کوئی چیز ہو، چنانچہ دونوں فرشتوں سے مراد عقل نظری اور عقل عملی ہوں جو عالم قدس سے متعلق ہیں اور زہرہ جسے حسین عورت کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے مراد نفس ناطقہ ہو اور جو ان کی تعلیمات پر عمل کرے گا وہ سعید ٹھہرے گا اور جو اس نفس کو گناہ سے آلودہ کرے گا اور اُسے علوم سفلیہ کے حصول پر آمادہ کرے گا وہ جوہر طبیعت کو آلودہ کرے گا اور آسمان پر چڑھنے سے مراد قدوسیوں کی مصاحبت اور ان کی نصیحتوں پر عمل کرنا ہے اور دونوں فرشتوں کے عذاب جھیلنے سے مراد انسانی جسد کا آسمانی عروج سے محروم ہونا ہے۔“

اس کے بعد وہ بعض دوسرے اکابر کے حوالے سے اسی طرح کے عوارف اور رموز واشارات کے موتی بکھیرتے نظر آتے ہیں پھر کہتے ہیں:”ومن قال بصحة هذه القصة في نفس الأمر وحملها على ظاهرها فقد ركب شططا وقال غلطا وفتح بابا من السحر يضحك الموتى ويبكي الأحياء وينكس راية الإسلام ويرفع رؤوس الكفرة الطغاة كما لا يخفى ذلك على المنصفين من العلماء المحققين“[49]”جن لوگوں نے اس قصہ کو اس کی ظاہری حیثیت پر محمول کیا ہے انھوں نے سخت غلطی کی ہے اور اسلام میں سحر و جادوگری کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا ہے جو مُردوں کو ہنساتا ہے اور زندوں کو رلاتا ہے اور جو اسلام کے جھنڈے کو سرنگوں کرتا ہے اور سرکش کفار کے سر بلند کرتا ہے جیسے کہ یہ بات منصف محقق علماء پر مخفی نہیں“

علامہ محمد حسین ذہبی تبصرہ کرتے ہیں:

”غالباً علامہ آلوسی کو اس قصہ کے سلسلہ میں رمز واشارہ اور عوارف و معارف کے دریا میں اترنے کی زحمت اس لیے گوارا کرنی پڑی کہ علامہ سیوطی نے امام احمد، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ سے اس قصہ کو مرفوعاً اور حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ سے موقوفاً متعدد سندوں سے نقل کیا ہے جس سے اس قصہ کی صحت سنداً مضبوط ہو جاتی ہے، حالانکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ علامہ سیوطی کی تصحیح کی بنیاد پر انھیں یہ تاویلیں کرنی پڑیں تو ان کے علاوہ کئی علماء نے اس قصہ کی تردید و تکذیب بھی کی ہے۔ مثلاً قاضی عیاض، ابو حیان الاندلسی، اور امام رازی وغیرہ، بلکہ شہاب عراقی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ہاروت و ماروت نام کے دو فرشتے زہرہ نامی عورت سے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں تو وہ کافر ہے، کیوں کہ فرشتے معصوم ہیں؛ ارشاد باری تعالی ہے: لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ[50]”اللہ ان کو جو کچھ حکم فرماتے ہیں، وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے، اسی کو بجالاتے ہیں“۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلَهُۥ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۚ وَمَنۡ عِندَهُۥ لَا يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِهِۦ وَلَا يَسۡتَحۡسِرُونَ يُسَبِّحُونَ ٱلَّيۡلَ وَٱلنَّهَارَ لَا يَفۡتُرُونَ[51]”اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے، اور جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اللہ کی بندگی سے سرکشی کرتے ہیں اور نہ کاہلی وسستی برتتے ہیں، وہ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، وہ (اس سے) تھکتے نہیں ہیں۔“ اور خود علامہ آلوسی کا یہ فرمانا ہے کہ زہرہ نامی ستارہ آغازِ کائنات سے ہی اپنی جگہ پر ہے اور یہ کہنا کہ اسے مسخ کیا گیا اور اس کے ساتھ مذکورہ واقعہ پیش آیا، غیر منقول اور غیر معقول ہے۔ مذکورہ علماء کرام اس قصے کو باطل قرار دے رہے ہیں اور قرآن کریم اور عقلی طور پر ان کی بات کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے باوجود اس قصے کو صحیح مان کر اس کو رمز اور اشارہ کی قبیل سے کر دینے پر علامہ آلوسی کو کس چیز نے برانگیختہ کیا۔“[52]

دکتور رمزی نعنامہ لکھتے ہیں:

”اور مجھے معلوم نہیں–اللہ ان کی مغفرت فرمائیں–کس طرح علامہ آلوسی نے اس قصہ کو رمز واشارہ کے طور پر بیان کیا، حالانکہ یہ قصہ خرافات میں سے ہے، اور خود انہوں نے بھی ظاہراً اس کا انکار بھی کیا ہے۔ تعجب ہے علامہ آلوسی پر کہ اگر یہ قصہ موجود ہے تو وہ اس کے ظاہر پر کس طرح نکیر کر رہے ہیں اور اگر چہ اس قصہ کا وجود ہی نہیں ہے تو اس سے رمز واشارہ کے طور پر کس طرح بیان کر رہے ہیں؟ حق بات یہی ہے کہ تصوف کے میلان نے انہیں اس طرح اقوال بیان کرنے میں مبتلا کر دیا۔[53]

۶۔ علامہ آلوسی کا اسرائیلیات کے شوقین حضرات کے ذوق کی تسکین کے لیے اسرائیلیات کو ذکر کرنا

سچ اور جھوٹ کی پرواہ کیے بغیر واقعات کے سننے سنانے کے خواہش مند حضرات کے ذوق کی تسکین کے لیے علامہ آلوسی بسا اوقات اسرائیلیات نقل کرتے

ہیں۔مثال کے طور پر سورہ النمل آیت نمبر:۸۲وَإِذَا وَقَعَ ٱلْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ ٱلنَّاسَ كَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا لَا يُوقِنُونَ" اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے کو ہو گا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے باتیں کرے گا؛ اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔" کی تفسیر میں علامہ آلوسی "دابۃ" سے متعلق عجیب و غریب تفصیلات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "دابۃ" کے بارے میں اخبار بہت زیادہ ہیں۔پھر علامہ ابن حبان کی تفسیر "البحر المحیط" کے حوالے سے لکھتے ہیں:"وفي البحرأنهم اختلفوا- في ماهيتها وشكلها ومحل خروجها وعدد خروجها ومقدار ما يخرج منها وما تفعل بالناس وما الذي تخرج به- اختلافا مضطربا معارضا بعضه بعضا فاطرحنا ذكره لأن نقله تسويد للورق بما لا يصح وتضييع لزمان نقله اه"[54]بحر میں ہے کہ مفسرین نے "دابۃ" کی ماہیت، شکل، اس کے نکلنے کی جگہ، نکلنے کی تعداد، مقدار اور نکلنے کے بعد لوگوں کے ساتھ جو کرے گا اور کس کے لیے نکلے گا، کے بارے میں اختلاف کیا ہے، جس میں اس قدر اضطراب ہے کہ (وہ اقوال واخبار) ایک دوسرے کے معارض ہیں، اس لیے ہم نے اس کے ذکر کو چھوڑ دیا کیونکہ اس کا نقل کرنا غیر صحیح چیز سے ورق کو سیاہ کرنا ہے اور اس کے نقل میں وقت کا ضیاع ہے"۔اس کے بعد علامہ آلوسی "دابۃ" سے متعلق نقل اسرائیلیات کے سلسلہ میں جو عذر پیش کرتے ہیں:"وهو كلام حق وأنا إنما نقلت بعض ذلك دفعا لشهوة من يحب الاطلاع على شيء من أخبارها صدقا كان أو كذبا"[55]ابن حبان کا کلام حق ہے، میں نے تو اس واقعہ کو محض اطلاع حاصل کرنے والوں کے نفس کی تسکین کے لیے نقل کیا ہے سچ اور جھوٹ سے غرض نہیں۔"

۷۔علامہ آلوسی کا اسرائیلیات کو بغیر نقد وانکار کے نقل کرنا

علامہ آلوسی اسرائیلیات سے متنفر اور توحش کے باوجود میں بعض مقامات پر اسرائیلی واقعات کو نقل کرنے کے بعد بغیر کسی نوٹ اور تعاقب کے یونہی گزر جاتے ہیں اور اس کی عجیب وغریب ہونے پر کوئی گرفت نہیں فرماتے۔مثال کے طور پر سورہ نمل کی آیت نمبر:۲۲فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ" پھر ہدہد نے زیادہ دیر نہیں لگائی اور (آکر) کہا کہ: میں نے ایسی معلومات حاصل کی ہیں جن کا آپ کو علم نہیں ہے، اور میں ملک سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔" کی تفسیر میں علامہ آلوسی نقل کرتے ہیں:"وفي بعض الآثار أنه عليه السلام لما لم يره دعا عريف الطير وهو النسر فسأله فلم يجد عنده علمه ثم قال لسيد الطير وهو العقاب: علي به فارتفعت فنظرت فإذا هو مقبل فقصدته فناشدها الله تعالى وقال: بحق الله الذي قواك وأقدرك علي ألا رحمتني فتركته وقالت: ثكلتك أمك إن نبي الله تعالى قد حلف ليعذبنك أو ليذبحنك قال: وما استثنى قالت: بلى قال: أو ليأتيني بسلطان مبين فقال: نجوت إذا فلما قرب من سليمان أرخى ذنبه وجناحيه يجرها على الأرض تواضعا له فلما دنا منه أخذ برأسه فمده إليه فقال: يا نبي الله تعالى اذكر وقوفك بين يدي الله عز وجل فارتعد سليمان وعفا عنه،وعن عكرمة أنه إنما عفا عنه لأنه كان بارا بأبويه يأتيهما بالطعام فيزقهما لكبرهما"[56]"بعض آثار میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد کو نہیں دیکھا تو پرندوں کے منتظم گدھ کو بلا کر پوچھا تو نہیں معلوم نہ تھا پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلایا (اور کہا کہ) ہدہد کو میرے پاس لاؤ، عقاب اڑا تو دیکھا کہ وہ سامنے سے آرہا ہے تو عقاب نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کیا، ہدہد نے اللہ تعالی کا واسطہ دیا اور کہا کہ اس اللہ کے واسطے جس نے آپ کو مضبوط بنایا اور میرے اوپر قدرت دی ہے مجھ پر رحم کیجیے، چنانچہ اس نے چھوڑ دیا اور کہا کہ تجھے تیری ماں روئے، اللہ کے نبی نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھے سزا دوں گا یا ذبح کردوں گا۔ہدہد کہنے لگا کہ کوئی استثنیٰ نہیں کی، عقاب کہنے لگی کیوں نہیں! یہ فرمایا ہے کہ یا میرے پاس واضح دلیل لے آئے۔ہدہد نے کہا: اب میں بچ گیا، چنانچہ جب سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچا تو اپنی دم لٹکادی اور اپنے بازوں تواضع ظاہر کرنے کے لیے زمین پر گھسیٹنے لگا جب سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچا تو انہوں نے سر سے پکڑا اور اپنی طرف بڑھایا تو ہدہد کہنے لگا: اے اللہ کے نبی! اللہ کے حضور اپنے کھڑے ہونے کو یاد کیجیے، سلیمان علیہ السلام پر کپکپی طاری ہوگئی اور انہوں نے اسے معاف کردیا۔عکرمہ سے مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو اس لیے معاف کیا کہ وہ اپنے والدین کا فرمانبردار تھا، ان کے لیے کھانا لاتا تھا اور ان کی بڑھاپے کی وجہ سے ان کو چونچ میں کھلاتا تھا۔

دکتور محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

"والقصة - كما ترى - ظاهر عليها أمارات الوضع : فمن الذي نقل لنا حوار الطير وترجم لنا منطقه ؟ ومن الذي عرف قتادة أن الهدهد كان باراً بأبويه ومن أجل ذلك عفا عنه سليمان ؟... القصة موضوعة ولا شك .. ولكن الآلوسي - على غير عادته - يرويها ثم لا يعقب

عليها بما يفيد بطلانها "[57] "یہ قصہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس پر وضع کی علامات ظاہر ہیں۔ پرندوں کی باتیں کس نے نقل کی اور ہمارے لیے ان کی بولی کا ترجمہ کیا؟ اور قتادہ کو کس نے بتایا کہ ہدہد والدین کا فرمانبر دار تھا، اس وجہ سے سلیمان علیہ السلام نے ان کو معاف کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصہ من گھڑت ہے، لیکن علامہ آلوسی اپنی عادت کے بر خلاف اس کو نقل کرتے ہیں اور اس کا تعقب نہیں کرتے، یعنی اس کو باطل قرار نہیں دیتے۔"

خلاصہ کلام:

مذکورہ بحث سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں اسرائیلی واقعات بیان کر کے اپنا موقف بھی پیش کرتے ہیں اور دیگر مفسرین کرام کی رائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات بھی شامل کرتے ہیں۔ تحقیق و تمحیص سے رائے اخذ کرتے ہیں، بلکہ واقعہ کی مناسبت سے جن مفسرین وغیرہ اخذ کرتے ہیں ان کی نفی بھی کرتے ہیں۔ اور اپنی رائے کے مطابق اس کی تائید بھی کرتے ہیں اور بعض مقامات پر خاموشی سے آگے گزر جاتے ہیں، کسی مفسر کی رائے نہیں ذکر کرتے اور نہ ہی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

[1] سورۃ الحجر:۹
[2] سورۃ القیامۃ:۱۹
[3] الخضیری، محمد علی، تفسیر التابعین، ریاض، دارالوطن ۱۴۲۰ھ، ص:۳۲
[4] الخضیری، محمد علی، تفسیر التابعین، ریاض، دارالوطن ۱۴۲۰ھ، ص:۳۲
[5] کحالۃ، عمر رضا (م ۱۴۰۸ھ) معجم المؤلفین، بیروت، مکتبۃ المثنیٰ، س ن، ج ۱۲، ص ۱۶۹
[6] الآلوسی، شہاب الدین، محمود بن عبداللہ (م ۱۲۷۰ھ) بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ ج ۱۰، ص ۱۵۰
[7] الزرکلی، خیر الدین (م ۱۳۹۶ھ) الأعلام، بیروت، دار العلم للملایین ۲۰۰۲ء ج ۷ ص ۱۷۶
[8] الآلوسی، محمود بن عبداللہ (م ۱۲۷۰ھ) بغداد، مطبعۃ الشابندر ۱۳۲۷ھ، غرائب الاغتراب، ص ۳
[9] الذہبی، محمود السید حسین (م ۱۳۹۸ھ) القاہرہ، مکتبۃ وھبۃ، س ن۔ ج ۱ ص ۲۵۰
[10] أیضاً: ج ۱ ص ۲۵۰
[11] أیضاً ج ۱ ص ۱۵۱
[12] الآلوسی، محمود شکری (م ۱۳۴۲ھ) بیروت، دار العربیۃ للموسوعات ۱۴۲۷ھ، المسک الأذفر، ج ۱ ص ۱۳۵
[13] اعلام العراق
[14] الزرکلی، الاعلام، ج:۷، ص:۱۴
[15] الآلوسی، محمود شکری، المسک الأذفر، ج:۱، ص ۱۴۹
[16] الآلوسی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱ ص ۵
[17] حریری، پروفیسر، غلام احمد (م ۱۴۱۰ھ) فیصل آباد، ملک سنز پبلشرز ۱۹۹۹ء، ص ۳۰۲
[18] الزرقانی، محمد عبد العظیم (م ۱۳۶۷ھ)، مناہل العرفان، مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی، س ن، ج ۲، ص ۸۴
[19] بنوری، محمد یوسف (م ۱۳۹۷ھ) مترجم سلیمان بنوری، منتخبات اصول تفسیر ترجمہ یتیمۃ البیان، کراچی، مکتبۃ البینات ۱۴۳۲ھ ص ۸۵
[20] غازی، محمود احمد (م ۱۴۳۱ھ) محاضراتِ قرآنی، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۹ء ص ۲۱۶
[21] عثمانی، محمد تقی، علوم القرآن، کراچی، مکتبہ دار العلوم ۱۴۱۵ھ، ص:۵۰۵
[22] النمل:۷۶
[23] الذہبی، محمد حسین (م ۱۳۹۸ھ)، الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، القاہرہ، مکتبۃ وھبیۃ، س ن، ص:۱۳
[24] اسیر ادروی، نظام الدین (م ۱۴۴۲ھ) تفسیروں میں اسرائیلی روایات، راولپنڈی، مکتبہ عثمانیہ س ن ص:۳۵
[25] عثمانی، تقی، علوم القرآن، ص:۳۴۵
[26] اسیر ادروی، نظام الدین، تفسیروں میں اسرائیلی روایات، ص:۳۵
[27] ابن خلدون، عبد الرحمن (م ۸۰۸ھ) تاریخ ابن خلدون، بیروت، دار الفکر ۱۴۰۱ھ، ج:۱، ص:۵۵۵
[28] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ، ج:۳، ص:۴۳۷
[29] أیضاً: ج:۷، ص:۳۶۸
[30] البخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الصحیح، بیروت، دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ، ج:۸، ص:۱۰۸، الرقم:۶۵۲۰
[31] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:۷، ص:۶۰

[32] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج:۱، ص:۱۹۳

[33] البخاری، الصحیح، ج:۶، ص۱۲۶، الرقم:۴۸۱۱

[34] البخاری، الصحیح، ج:۶، ص۳۷، الرقم:۴۵۵۶

[35] ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم، ج:۴، ص:۲۷۷

[36] البخاری، الصحیح، ج:۴، ص:۱۷۰، الرقم:۳۴۶۱

[37] ابن تیمیہ، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم (م ۷۲۸ھ)، مقدمۃ اصول التفسیر، بیروت، مکتبۃ الحیاۃ ۱۴۹۰ھ، ص:۴۲

[38] الذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، القاہرہ، مکتبۃ الوھبۃ، س ن، ج:۱، ص:۲۵۵

[39] آلوسی، التفسیر، ج:۱، ص:۲۳۶

[40] آلوسی، التفسیر، ج:۱، ص:۲۳۷

[41] ایضاً

[42] الذہبی، محمد حسین، الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص:۱۳۶

[43] الذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، القاہرہ، مکتبۃ الوھبۃ، س ن، ج:۱، ص:۲۵۵

[44] الآلوسی، التفسیر، ج:۱، ص:۵۶۰

[45] الآلوسی، التفسیر، ج:۶، ص:۲۴۹

[46] الآلوسی، التفسیر، ج:۳، ص:۲۵۹

[47] الآلوسی، التفسیر، ج:۶، ص:۴۰۶

[48] الآلوسی، التفسیر، ج:۱، ص:۳۴۰

[49] الآلوسی، التفسیر، ج:۱، ص:۳۴۰

[50] التحریم:۶

[51] الانبیاء:۱۹-۲۰

[52] الذہبی، محمد حسین، الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص:۱۴

[53] نعنامۃ، زمزی، الاسرائیلیات واثرھا فی کتب التفسیر، دمشق، دار القلم ۱۳۹۰ھ، ص:۳۴۷

[54] الآلوسی، التفسیر، ج:۱۰، ص:۲۳۴

[55] ایضاً

[56] ایضاً: ج:۱۰، ص:۱۸۱

[57] الذہبی، محمد حسین، الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، ص:۱۴۵